تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

جلد نمبر: 7

شمارہ: 06

انٹرنیٹ گزٹ

جون 2017ء

المنار

زیر نگرانی: شعبہ اشاعت-تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن-یو۔کے

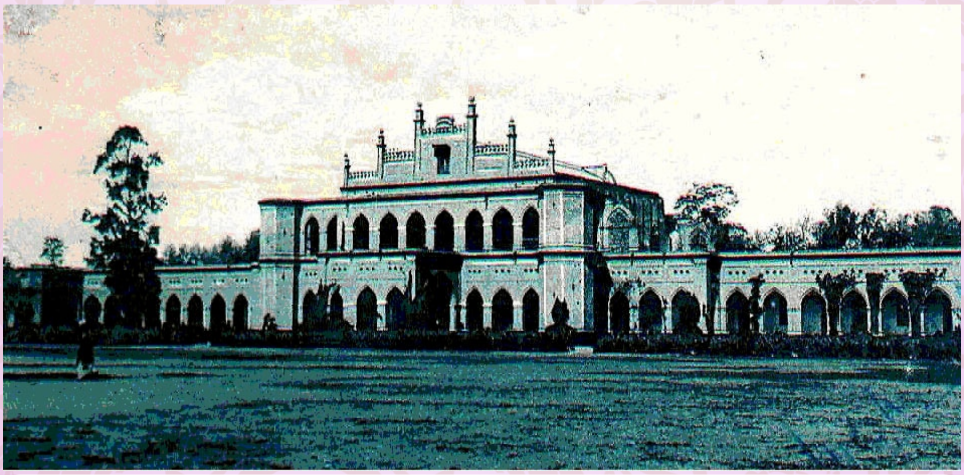

Taleem-Ul-Islam College Old Students Association - U.K

181, London Road, Mordan, SM4 5HF, London.

Ph. 020 8877 5510, 7886304637 - Fax: 020 8877 9987

ticosauk2017@gmail.com - www.alminaruk.com

قال اللہ تعالیٰ

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کیلئے ایک عظیم ہدایت کے طور پر اُتارا گیا اور ایسے کھلے نشانات کے طور پر جن میں ہدایت کی تفصیل اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے امور ہیں۔ پس جو بھی تم سے اس مہینے کو دیکھے تو اس کے روزے رکھے۔ اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی پوری کرنا دوسرے ایام میں ہوگا۔ (سورۃ البقرۃ :186)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے ایمان کی حالت میں اور محاسبہ نفس کرتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اُس کو اُس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے اور جس شخص نے ایمان کی حالت میں اور اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے لیلۃ القدر کی رات قیام کیا اُس کو اُس کے گزشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(بخاری باب فضلِ لیلۃ القدر)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

''ان باتوں سے روزہ کی حقیقت ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے نفس پر تسلّط پیدا کر لیتا ہے کہ گھر میں اس کی ضرورت اور استعمال کی چیزیں موجود ہیں اگر اپنے مولا کی رضا کے لئے وہ حسب تقاضائے نفس ان کو استعمال نہیں کرتا تو جو اشیاء اس کو میسّر نہیں ان کی طرف نفس کو کیوں راغب ہونے دے گا۔ رمضان شریف کے مہینہ کی بڑی بھاری تعلیم یہ ہے کیسی ہی شدید ضرورتیں کیوں نہ ہوں مگر خدا کا ماننے والا خدا ہی کی رضامندی کے لئے ان سب پر پانی پھیر دیتا ہے۔''

(الحکم 24 جنوری 1904 صفحہ 12)

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

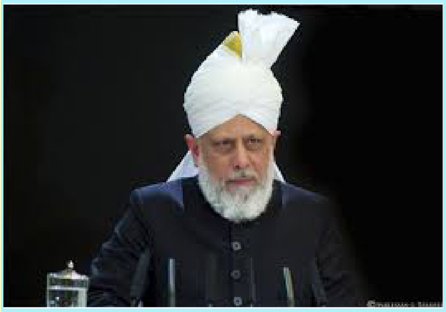

''اگر تم رمضان کے مہینہ میں لاپرواہی سے کام لو گے اور روزے کو کچھ اہمیت نہیں دو گے یا اگر روزے رکھ لو گے کہ گھر میں سب رکھ رہے ہیں شرم میں رکھ لو اور نمازوں میں سستی کر جاؤ قرآن کریم پڑھنے میں سستی کر جاؤ قرآن کریم بھی رمضان میں ہر ایک کو کم از کم ایک دور مکمل کرنا چاہئے تو یہ روزے تمہارے خدا کی خاطر نہیں ہوں گے اگر یہ سستی ہوتی رہی، یہ تو دنیا دکھاوے کے روزے ہیں۔''

(خطبات مسرور جلد اوّل صفحہ 417)

''پس دعاؤں کی قبولیت اور اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں کہ خدا تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جائے اور اس کے نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوہ میں ہی ملیں گے۔'' (الفضل 18 اگست 2010)

'سرن' تاریخ کا سب سے بڑا انسانی معجزہ ہے

زیرو پوائنٹ
جاوید چوہدری

آپ اگر انسانی کوششوں کی معراج دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ زندگی میں ایک بار سرن ضرور جائیں' آپ حیران رہ جائیں گے لیکن سرن ہے کیا؟ ہمیں یہ جاننے سے قبل کائنات کے چند بڑے حقائق جاننا ہوں گے۔

ہماری کائنات 13ارب 80 کروڑ سال پرانی ہے' زمین کو تشکیل پائے ہوئے پانچ ارب سال ہو چکے ہیں' ہماری کائنات نے ایک خوفناک دھماکے سے جنم لیا تھا' یہ دھماکہ بگ بینگ کہلاتا ہے' بگ بینگ کے بعد کائنات میں 350ارب بڑی اور 720ارب چھوٹی کہکشائیں پیدا ہوئیں' ہر کہکشاں میں زمین سے کئی گنا بڑے اربوں سیارے اور کھربوں ستارے موجود ہیں' یہ کائنات ابھی تک پھیل رہی ہے' یہ کہاں تک جائے گی' یہ کتنی بڑی ہے اور اس میں کتنے بھید چھپے ہیں ہم انسان تمام تر سائنسی ترقی کے باوجود اس کا صرف 4 فیصد جانتے ہیں' کائنات کے 96 فیصد راز تاحال ہمارے احاطہ شعور سے باہر ہیں۔ یہ 96 فیصد نامعلوم بھی دو حصوں میں تقسیم ہیں' 44 فیصد حصہ وہ ہے جس کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم اسے نہیں جانتے' سائنس دان اس 44 فیصد حصے کو ''ڈارک میٹر'' کہتے ہیں' یہ ڈارک میٹر سپر انرجی ہے' ہمارا سورج اس انرجی کے سامنے صحرا میں ذرے کے برابر ہے' سائنس دان کائنات کے باقی 52 فیصد نامعلوم کے بارے میں کہتے ہیں ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم اسے نہیں جانتے' ہمیں کائنات کو سمجھنے کے لیے اس کی بنیاد سمجھنا ہوگی۔ یہ جاننا ضروری ہے بگ بینگ کیسے اور کیوں ہوا تھا اور اس کے فوری بعد کیا ہوا تھا جس سے کائنات نے جنم لیا' انسان کے پاس یہ حقیقت جاننے کے لیے دو طریقے ہیں' ہم کوئی ایسی ٹائم مشین بنائیں جو ہمیں 13 ارب 80 کروڑ سال پیچھے اس وقت میں لے جائے جب بگ بینگ ہوا اور کائنات وجود میں آنے لگی' یہ ظاہر ہے ممکن نہیں' دوسرا طریقہ' سائنس دان لیبارٹری میں ''بگ بینگ'' کریں اور کائنات کی پیدائش کے پورے عمل کا مشاہدہ کر لیں' یہ طریقہ مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں چنانچہ سائنس دانوں نے 1952ء میں اس پر کام شروع کر دیا۔

اس نادر کام کے لیے جنیوا کے مضافات میں فرنے میں جگہ تلاش کی گئی اور سوئٹزرلینڈ اور فرانس دونوں نے مل

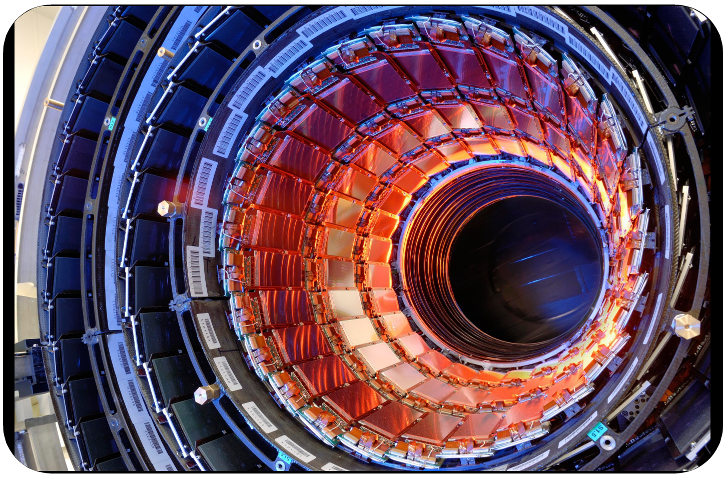

کر لیبارٹری بنانا شروع کر دی' یہ لیبارٹری سرن کہلاتی ہے' یہ کام دو ملکوں اور چند سو سائنس دانوں کے بس کی بات نہیں تھی چنانچہ آہستہ آہستہ دنیا کے 38 ممالک کی 177 یونیورسٹیاں اور فزکس کے تین ہزار پروفیسر اس منصوبے میں شامل ہو گئے' سائنس دانوں نے پہلے حصے میں زمین سے 100 میٹر نیچے 27 کلومیٹر لمبی دھاتی سرنگ بنائی۔ اس سرنگ میں ایسے مقناطیس اتارے گئے جو کشش ثقل سے لاکھ گنا طاقتور ہیں' مقناطیس کے اس فیلڈ کے درمیان دھات کا 21 میٹر اونچا اور 14 ہزار ٹن وزنی چیمبر بنایا گیا' یہ چیمبر کتنا بھاری ہے آپ اس کا اندازہ آئفل ٹاور سے لگا لیجیے' دنیا کے سب سے بڑے دھاتی اسٹرکچر کا وزن 7 ہزار تین سو ٹن ہے' سرن کا چیمبر اس سے دگنا بھاری ہے' اس چیمبر کا ایک حصہ پاکستان کے ہیوی مکینیکل کمپلیکس میں بنا اور اس پر باقاعدہ پاکستان کا جھنڈا چھاپا گیا' سائنس دانوں کے اس عمل میں چالیس سال لگ گئے' یہ چالیس سال بھی ایک عجیب تاریخ ہیں۔

سائنس دانوں کے اس انہماک سے بے شمار نئی ایجادات سامنے آئیں مثلاً انٹرنیٹ سرن میں ایجاد ہوا تھا' سائنس دانوں کو آپس میں رابطے اور معلومات کے تبادلے میں مشکل پیش آ رہی تھی چنانچہ سرن کے ایک برطانوی سائنس دان ٹم برنرزلی نے 1989ء میں انٹرنیٹ ایجاد کر لیا یوں www (ورلڈ وائیڈ ویب) سرن میں ''پیدا'' ہوا اور اس نے پوری دنیا کو جوڑ دیا۔ سٹی اسکین اور ایم آر آئی بھی اسی تجربے کے دوران ایجاد ہوئی' سرن میں

اس وقت بھی ایسے سسٹم بن رہے ہیں جو اندھوں کو بینائی لوٹا دیں گے' ایک چھوٹی سی چپ میں پورے شہر کی آوازیں تمام ڈیٹیلز کے ساتھ ریکارڈ ہو جائیں گی' ایک ایسا سپر الٹرا ساؤنڈ بھی مارکیٹ میں آ رہا ہے جو موجودہ الٹرا ساؤنڈ سے ہزار گنا بہتر ہوگا' ایک ایسا لیزر بھی ایجاد ہو چکا ہے جو غیر ضروری ٹشوز کو چھیڑے بغیر صرف اس ٹشو تک پہنچے گا جس کا علاج ہونا ہے' ایک ایسا سسٹم بھی سامنے آ جائے گا جو پورے ملک کی بجلی اسٹور کر لے گا اور سرن کا گرڈ کمپیوٹر بھی عنقریب مارکیٹ ہو جائے گا' یہ کمپیوٹر پوری دنیا کا ڈیٹا جمع کر لے گا۔ یہ تمام ایجادات سرن میں ہوئیں اور یہ اس بنیادی کام کی ضمنی پیداوار ہیں' سرن کے سائنس دان اس ٹنل میں مختلف عناصر کو روشنی کی رفتار (ایک لاکھ 86 ہزار میل فی سیکنڈ) سے لگ بھگ اسپیڈ سے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور پھر تبدیلی کا مشاہدہ کرتے ہیں' یہ عناصر ایٹم سے اربوں گنا چھوٹے ہوتے ہیں' یہ دنیا کی کسی مائیکرو اسکوپ میں دکھائی نہیں دیتے۔

سائنس دانوں نے 2013ء میں تجربے کے دوران ایک ایسا عنصر دریافت کر لیا جو تمام عناصر کو توانائی فراہم کرتا ہے' یہ عنصر ''گاڈ پارٹیکل'' کہلایا' اس دریافت پر دو سائنس دانوں پیٹر ہگس اور فرینکوئس اینگلرٹ کو نوبل انعام دیا گیا' یہ دنیا کی آج تک کی دریافتوں میں سب سے بڑی دریافت ہے۔ سائنس دانوں کا خیال ہے مادے کی اس دنیا کا آدھا حصہ غیر مادی ہے' یہ غیر مادی دنیا ہماری دنیا میں توانائی کا ماخذ ہے' یہ لوگ اس غیر مادی دنیا کو ''اینٹی میٹر'' کہتے ہیں' یہ اینٹی میٹر پیدا ہوتا ہے' کائنات کو توانائی دیتا ہے اور سیکنڈ کے اربوں حصے میں فنا ہو جاتا ہے' سرن کے سائنس دانوں نے چند ماہ قبل اینٹی میٹر کو 17 منٹ تک قابو رکھا' یہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا' یہ لوگ اگر ''اینٹی میٹر'' کو لمبے عرصے کے لیے قابو کر لیتے ہیں تو پھر پوری دنیا کی توانائی کی ضرورت چند سیکنڈز میں پوری ہو جائے گی' دنیا کو بجلی اور پٹرول کی ضرورت نہیں رہے گی۔

سرن ایک انتہائی مشکل اور مہنگا پراجیکٹ ہے اور سائنس دان یہ مشکل کام 65 سال سے کر رہے ہیں۔ یہ لیبارٹری دنیا کے ان چند مقامات میں شامل ہے جن میں پاکستان اور پاکستانیوں کی بہت عزت کی جاتی ہے اس عزت کی وجہ ڈاکٹر عبدالسلام ہیں' ڈاکٹر عبدالسلام کی تھیوری نے سرن میں

اہم کردار ادا کیا' عناصر کو ٹکرانے کے عمل کا آغاز ڈاکٹر صاحب نے کیا تھا' ڈاکٹر صاحب کا وہ ریکٹر اس وقت بھی سرن کے لان میں نصب ہے جس کی وجہ سے انھیں نوبل انعام ملا۔ دنیا بھر کے فزکس کے ماہرین یہ سمجھتے ہیں اگر ڈاکٹر صاحب تھیوری نہ دیتے اور اگر وہ اس تھیوری کو ثابت کرنے کے لیے یہ پلانٹ نہ بناتے تو شاید سرن نہ بنتا اور شاید کائنات کو سمجھنے کا یہ عمل بھی شروع نہ ہوتا چنانچہ ادارے نے لیبارٹری کی ایک سڑک ڈاکٹر عبدالسلام کے نام منسوب کر رکھی ہے' یہ سڑک آئن سٹائن کی سڑک کے قریب ہے اور یہ اس انسان کی سائنسی خدمات کا اعتراف ہے جسے ہم نے مذہبی نفرت کی بھینٹ چڑھا دیا' جسے ہم نے پاکستانی ماننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

سرن میں اس وقت 10 ہزار لوگ کام کرتے ہیں' ان میں تین ہزار سائنس دان ہیں یوں یہ دنیا کی سب سے بڑی سائنسی تجربہ گاہ ہے' یہ تجربہ گاہ کبھی نہ کبھی اس راز تک پہنچ جائے گی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات تخلیق کی تھی' یہ راز جس دن کھل گیا اس دن کائنات کے سارے بھید کھل جائیں گے' ہم اس دن قدرت کو سمجھ جائیں گے۔ (بشکریہ ایکسپریس نیوز.کام)

مجلس ادارت
رانا عبدالرزاق خان۔ عطاء القادر طاہر۔ سید حسن خان۔ آصف علی پرویز
پروف ریڈنگ
چوہدری بشیر احمد اختر۔ پروفیسر عبدالقدیر کوکب
کمپوزنگ و ڈیزائننگ
خورشید احمد خادمؔ
مینیجر
سید نصیر احمد

تعلیم الاسلام کالج کی داستان

بانیٔ پرنسپل حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ

قسط دوم

(مکرم انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب حال ربوہ۔ پاکستان)

(5)-دوسرے کالجوں کی طرح یہ کالج نہیں!

"ایک دفعہ کالج کی بات ہے باہر کسی کالج میں (یعنی ہمارا احمدیوں کا کالج نہیں) لڑائی ہوئی پستول چلے کچھ مارے گئے لڑکے گھبرائے کہ جو دشمن ہیں جب ان کو موقع ملا تو وہ ہمارے اوپر اس طرح وار کریں گے۔ اس قسم کا ایک طالب علم آ گیا کہ میں نے مائیگریشن کروانی ہے۔ میں آپ کے کالج میں آنا چاہتا ہوں۔ مجھے چونکہ اس سارے واقعہ کا پہلے سے علم ہو چکا تھا۔ میں نے اس کو بٹھا کر سمجھایا میں نے کہا دیکھو اگر تم نے ہمارے پاس فائدہ اُٹھانے کے لئے آنا ہے تو بڑی خوشی سے آؤ۔ ہم تمہارا بھی خیال رکھیں گے۔ پڑھانے کی بھی کوشش کریں گے لیکن اگر تم نے ہم سے سزا لینے کے لئے یہاں آنا ہے تو پھر بہتر یہ ہے کہ کسی اور جگہ چلے جاؤ کیونکہ دوسرے کالجوں کی طرح یہ کالج نہیں کیونکہ جب تم غلطی کرو گے بڑی سخت گرفت ہوگی اور کسی ایک لڑکے پر جھوٹا رحم کر کے بیسیوں لڑکوں کے اخلاق کو تباہ نہیں کیا جائے گا وہ کہنے لگا مجھے علم ہے کہ اس کالج کا یہی ماحول ہے۔ آپ تسلّی رکھیں۔ میں جب تک یہاں ہوں کوئی شکایت پیدا نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ وہ سال ڈیڑھ سال تک رہا اور کبھی اس نے ذرا سا بھی موقع نہیں دیا سر اُٹھا کر بات نہیں کرتا تھا اس کو پتہ تھا کہ یہ ماحول ایسا ہے کہ اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے اس کا فائدہ مجھے یا آپ کو اس طرح نہیں (ہمیں فائدہ تو یہ ہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو کام کرتے ہیں اس کا فائدہ ہمیں ملتا ہے وہ فائدہ تو ہے) لیکن تربیت اور صحیح تعلیم اور پوری طرح ذہن نشوونما کا پہلا اور اصل فائدہ تو اس کا ہے جس نے تعلیم حاصل کی اور تربیت پائی ہمیں اللہ تعالیٰ ثواب دیتا رہے گا اگر ہماری نیت ٹھیک ہو اور ہم اس کی رضا کے متلاشی اور اسی پر توکل کرتے ہوں لیکن ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جو

کام کرتے ہیں وہ اس لئے کرتے ہیں کہ جو نوجوان ہیں۔ وہ اپنی تعلیم میں اچھے نکلیں۔ ان کے اچھے اخلاق ہوں وہ دنیا میں نام پیدا کریں وہ دنیا بھی کمائیں اور اپنے خاندان اور اپنے ملک کا نام بھی روشن کریں۔"

(خطبہ جمعہ 6 مارچ 1970ء خطبات ناصر جلد سوم صفحہ 54، 55)

(6)-ہمارا مؤقف پیار کا مؤقف ہے!

1953ء میں جب کالج پر کئی طرف سے انہوں نے یورشیں کیں تو ایک گروہ آیا جس نے پتھراؤ کیا۔ تعلیم الاسلام کالج اس وقت لاہور میں ڈی اے وی کالج کی بلڈنگ میں تھا۔ چنانچہ جب کالج پر پتھراؤ کیا گیا تو ان کے مقابلے میں ہمارے طالب علموں نے احمدیت کی تربیت کے خلاف ایسا کیسے کر دیا؟ دراصل ہمارے کالج کے ہوسٹل میں 60 فیصد طالب علم ایسے تھے جو احمدی نہیں تھے۔ جب میں نے تحقیق کی تو مجھے پتہ لگا کہ جن لڑکوں نے جواباً پتھراؤ کیا ہے اس میں ایک بھی احمدی نہیں تھا لیکن چونکہ وہ ہمارے

درمیان رہتے تھے ہمارے طالب علموں کو دیکھتے تھے ہمارے ساتھ ان کا تعلق تھا۔ انہیں یہ پتہ تھا کہ یہ مظلوم جماعت ہے اس لئے ان کو غصّہ آ گیا اور جوابی پتھراؤ کیا مگر اس میں احمدی طلباء ملوث نہیں تھے۔ انکواری کمیشن میں آئی جب انور علی صاحب نے اس بات کو پیش کرایا کہ دیکھیں جی یہ دونوں طرف سے ہو جاتا ہے اس سے زیادہ طیش آ جاتا ہے تعلیم الاسلام کالج پر جب حملہ ہوا تو اندر سے بھی پتھراؤ ہو گیا میرے ساتھی میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ کو پتہ ہے کہ اس پتھراؤ میں احمدی طلباء شامل نہیں تھے اس لئے ہماری طرف سے یہ مؤقف لینا چاہئے کہ یہ غیر احمدی طلباء کا کام ہے۔ میں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا جنہوں نے پیار کے ساتھ ہمارا ساتھ دیا ہے ہم ان کے خلاف انکوائری کمیشن میں کچھ نہیں کہیں گے ہمیں بدنام کرتے ہیں تو کرتے رہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ طالب علم جو احمدی نہیں تھے ان کو اپنے کالج کے لئے جوش اور غیرت آئی اور انہوں نے ہماری خاطر ایک قدم اُٹھایا ہے۔ بے شک وہ ہمارے نزدیک غلط قدم تھا لیکن ان کے نزدیک تو درست تھا اگر ان کا قدم غلط ہے تو باہر سے بھی پتھراؤ اندر نہیں آنا چاہئے تھا اور اندر سے بھی باہر پتھراؤ نہیں جانا چاہئے تھا لیکن جنہوں نے ہماری خاطر یہ قدم اُٹھایا ہم ان کے خلاف یہ قدم نہیں اُٹھائیں گے۔ وہ احمدی نہیں تھے غیر احمدی تھے وہ تو ہمارے ہیں چاہے احمدی ہیں یا نہیں ہماری خاطر انہیں غیرت آئی ہماری خاطر انہیں جوش آیا پس ہمیں فکر یہ رہتا ہے کہ کام کوئی کرے گا اور نام ہمارا بدنام ہو گا ہمارا مؤقف پیار کا مؤقف ہے ہم ان کو بدنام نہیں کریں گے جو ہماری خاطر غلطی کر رہے ہونگے اپنے سر لے لیں گے۔" (خطبہ جمعہ 23/اکتوبر 1970ء خطبات ناصر جلد سوم صفحہ 383)

(7)- کالج کی ابتداء

"ہمارا کالج 1944ء میں بنا تھا۔ میں ہی زیادہ تر اس کا پرنسپل رہا ہوں۔ مجھے خیال آیا اور میں نے سوچا میرا اندازہ ہے کہ جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی تعلیمی اداروں پر اس وقت تک ایک کروڑ روپیہ سے زائد رقم خرچ کی ہے۔ اس کا فائدہ زیادہ تر آپ مرکز میں رہنے والے اُٹھاتے ہیں یہ تو آپ پر خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ اسی کے عین مطابق ذمہ داریاں بھی آپ پر زیادہ ہیں اور آپ ہیں کتنے جماعت میں۔ مغربی پاکستان کی احمدی جماعت کا آپ اپنے ربوہ، ایک فی صد بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جماعت کہیں سے کہیں پہنچ گئی اور اتنی بڑی رقمیں مرکز میں خرچ کی جاتی ہیں باہر والے بھی فائدہ اُٹھاتے ہیں لیکن میں نے بتایا ہے کہ ان کو زیادہ خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ آپ کے گھر میں یہ سہولت ہے آپ جماعت کی تعداد میں ایک فیصد بھی نہیں اور اتنی نعمتیں خدا تعالیٰ نے آسمان سے بارش کی طرح نازل کر دی ہیں۔ اگر آپ اپنی ذمہ داریاں نہیں بنائیں گے تو ایک فی صد کی خدا تعالیٰ اتنی پرواہ نہیں کرے گا جتنی ننانوے فیصد مخلصین کی وہ کرے گا۔ باہر سے لوگ آ جائیں گے پھر آپ باہر چلے جائیں گے وہ یہاں رہیں گے۔ ان کے دل میں خدا تعالیٰ قدر پیدا کرے گا مرکز اور اس کی ذمہ داریوں کی۔" (خطبہ جمعہ 1972ء خطبات ناصر جلد چہارم صفحہ 564,565)

(8)۔ کالج کی تعمیر اور خدائی تصرف

"1952-53 کی بات ہے ہمارا تعلیم الاسلام کالج میں رہا تھا تو کچھ حاسد اور متعصب بھی تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ لاہور میں جو ٹوٹی پھوٹی ڈی اے وی کالج کی عمارت صدر انجمن احمدیہ کو بھی ہے وہ بھی واپس چھن جائے لیکن ہم سے پیار کرنے والے ہم پر شفقت کا ہاتھ رکھنے والے بڑی دور کی سوچنے والے بھی تھے یعنی حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ چاہتے تھے کہ جلد ہی ربوہ میں کالج آ جائے تا کہ نوجوانوں کی صحیح تربیت ہو سکے دونوں کی اختلاف نیت کے باوجود خواہش ایک ہی تھی اور چونکہ اس عاجز پر اس وقت کالج کی ذمہ واری تھی اسی لئے بڑی دوڑ دھوپ کرنی پڑ رہی تھی کہ کسی طرح ایسے سامان پیدا ہو جائیں کہ ہم جلد ربوہ منتقل ہو سکیں۔ اس وقت جو وزیر تعلیم تھے ان سے ہمارا تعلق تھا۔ میں ان کے پاس گیا میں نے کہا کہ کالج تو بہر حال ایک قومی ضرورت ہے۔ آپ نے تقسیم ملک کے بعد ایک نقشہ کے مطابق دو جگہ کالج بنائے ہیں آپ وہ نقشے مجھے دے دیں اور جتنی رقم آپ کی خرچ ہوئی ہے اس کا چالیس فیصد دے دیں تو آپ کو جو لوگ آئے دن تنگ کرتے رہتے ہیں کہ احمدیوں کو لاہور سے نکالو تو آپ ان لوگوں کے اس دباؤ یا ایذاء سے بھی بچ جائیں گے اور ہمارا کالج بن جائے گا اور آپ کو یہ بھی پتہ لگ جائے گا کہ آپ نے جو کچھ خرچ کیا اس کا ساٹھ فیصد کہاں گیا کیونکہ انہی نقشوں کے مطابق چالیس فیصد کے خرچ کے ساتھ میں عمارت

بنوادونگا۔ وہ ہنس کر مجھے کہنے لگے کہ وہ تو ہمیں پہلے ہی پتہ ہے کہ ساٹھ فیصد رقم کہاں جاتی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کو ہم رقم دینے کے لئے تیار نہیں لیکن وہ تو میں نے ایک بات ان سے کہی تھی۔ میں ایک چیز ان پر ظاہر کرنا چاہتا تھا ہمیں تو اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے پیسے ملتے تھے۔

پھر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیسے میں اتنی برکت ڈالی کہ آج تک خود مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ ان پیسوں میں یہ کالج کیسے بن گیا اور باہر کسی سے بات کریں تو وہ جانتا ہی نہیں۔

ایک مرتبہ ایک مرکزی وزیر آئے۔ انہوں نے کہا یہ سارا ربوہ جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ جماعت احمدیہ نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر بنایا ہے یہ میں نہیں مانتا۔ خیر ان سے کہا گیا کہ یہ تو آپ کو پتہ ہونا چاہئے کہ آپ وزیر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دھیلہ بھی ہمیں حکومت نے نہیں دیا نہ ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ نے غیرت بھی دی ہے اور اخلاص اور برکت بھی دی ہے۔ ہمیں مانگنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس جو بھی غریبانہ سامان ہوتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اتنی برکت ڈالتا ہے کہ دوسروں کو حیرت ہوتی ہے۔''

(خطبہ جمعہ 7 دسمبر 1973ء بحوالہ خطبات ناصر جلد پنجم صفحہ 355 تا 355)

(9)۔ کالج کی انتہاء

''دو چیزیں نمایاں ہو کر سامنے آئی ہیں ایک یہ کہ وہ انتظامیہ جس کے سپرد یہ کام ہے کہ وہ قومی ترقی کے منصوبے بنائے اور جس نے ملک ملک کے تعلیمی اداروں کو قومیایا اور نیشنلائز کیا۔ جماعت کا سب سے پہلے یہ فرض تھا کہ وہ اس سے تعاون کرتی اور میں سمجھتا ہوں کہ سارے پاکستان میں سب سے زیادہ بشاشت کے ساتھ اور تعاون کرتے ہوئے اور دل میں بھی کوئی بات نہ رکھتے ہوئے جماعت نے موجودہ نرخ کے لحاظ سے قریباً پانچ کروڑ روپے کی جائیداد حکومت کے حوالے کر دی کیونکہ آخر یہ ملک ہمارا ہی ہے اور آئندہ پڑھ کر اور علم حاصل کر کے عمل کے میدان میں جانے والی نسلیں بھی ہماری ہی ہیں۔''

(خطبہ جمعہ 2/جنوری 1976ء خطبات ناصر جلد ششم صفحہ 270)

چند نصیحتیں خوشحال زندگی کی ضمانت

۱۔ دن کا آغاز نماز فجر، اذکار اور توکل علی اللہ سے کریں۔
۲۔ گناہوں سے مسلسل معافی مانگتے رہیں اس سے رزق میں بھی اضافہ ہوگا۔
۳۔ دعا نہ چھوڑیں، یہ کامیابی کی کنجی ہے۔
۴۔ یاد رکھیں زبان سے نکلے کلمات لکھے جا رہے ہیں۔
۵۔ سخت مشکلات میں بھی اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔
۶۔ انگلیوں کی خوبصورتی انکے ذریعہ تسبیح کرنے میں ہے۔
۷۔ افکار اور غم کی کثرت میں کلمہ طیبہ کا ورد کریں۔
۸۔ روپے پیسے سے فقیروں اور مسکینوں کی دعا خریدیں۔
۹۔ خشوع اور اطمینان سے کیا گیا سجدہ زمین بھر سونے سے بھی بہتر ہے۔
۱۰۔ زبان سے کوئی لفظ نکالتے ہوئے سوچیں کہ اسکے اثرات کیا ہونگے۔
۱۱۔ مظلوم کی بدعا اور محروم کی آہ سے بچیں۔
۱۲۔ والدین کی قدر کیجئے اور انکو نعمت عظمیٰ سمجھیں۔

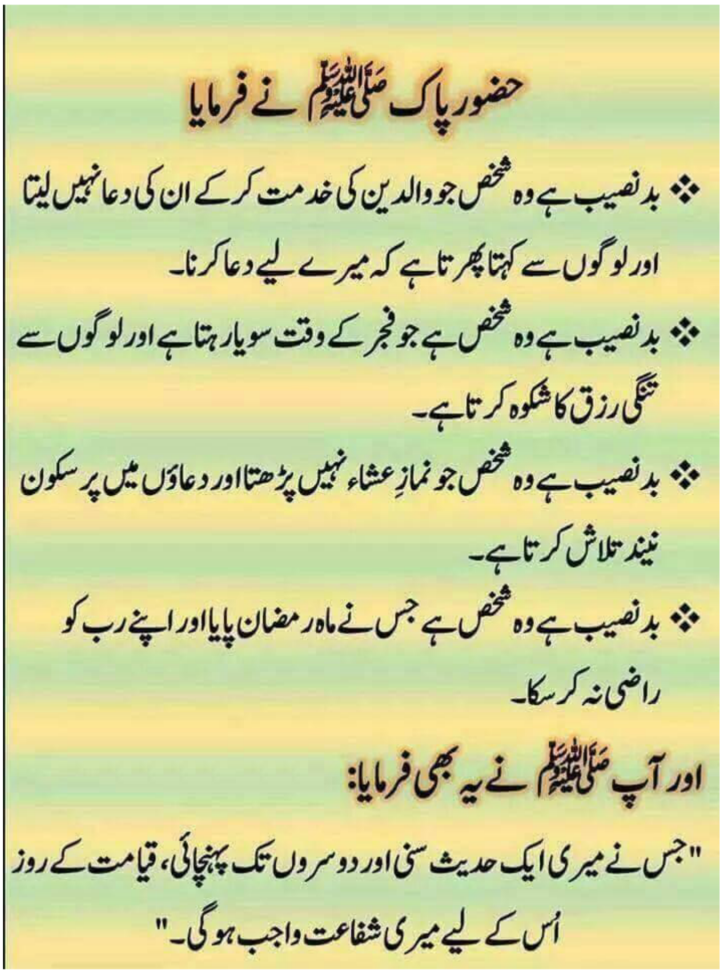

''..اس پر بھی نہ پینا آیا''

ایک محفل میں مولانا آزاد اور مولانا ظفر علی خان حاضر تھے۔ مولانا آزاد کو پیاس محسوس ہوئی تو ایک بزرگ جلدی سے پانی کا پیالہ لے آئے۔ مولانا آزاد نے ہنس ارشاد کیا:

لے کے اک پیرِ مغاں ہاتھ میں مینا، آیا

مولانا ظفر علی خان نے برجستہ دوسرا مصرع کہا:

مے کشو! شرم، کہ اس پر بھی نہ پینا آیا

ایک محفل میں کچھ شاعر بیخود دہلوی اور سائل دہلوی کا ذکر کر رہے تھے۔ ایک شاعر نے شعر سنائے جس میں دونوں کے تخلص نظم تھے۔ وہاں حیدر دہلوی بھی موجود تھے۔ شعر سن کر کہنے لگے:

''اس شعر میں سائل اور بیخود تخلص صرف نام معلوم ہوتے ہیں۔ کمال تو یہ تھا کہ شعر میں تخلص بھی نظم ہو اور محض نام معلوم نہ ہو۔''

کسی نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ حیدر نے وہیں برجستہ یہ شعر کہہ کر سب کو حیران کر دیا:

پڑا ہوں میکدے کے در پر اس انداز سے حیدر
کوئی سمجھا کہ بے خود ہے کوئی سمجھا کہ سائل ہے

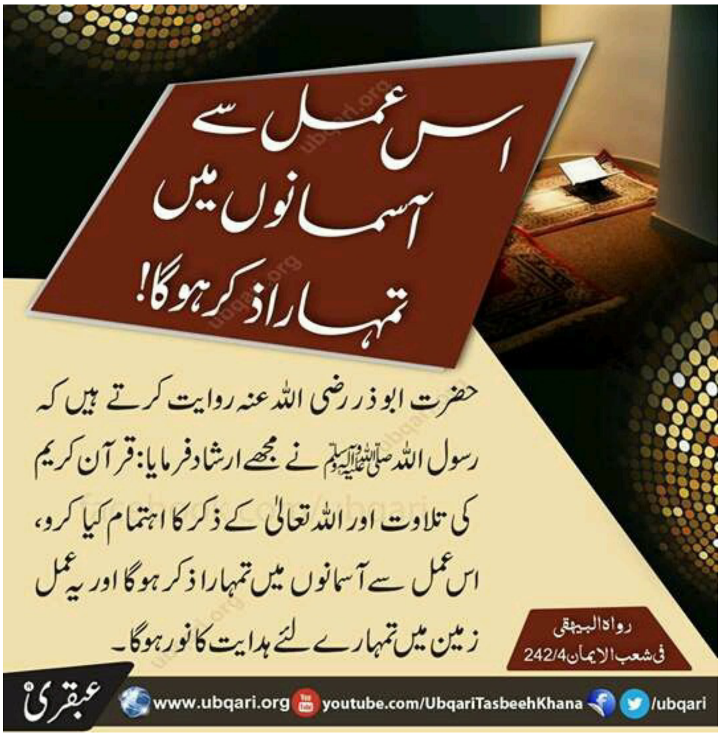

مگر دِل ہے کہ اس کو جانتا ہے

کلام: مکرم چوہدری محمد علی صاحب

نہ میں اس سے، نہ وہ مجھ سے ملا ہے
مگر دِل ہے کہ اس کو جانتا ہے

یہ کیسی صبح کا چرچا ہوا ہے
اندھیرے میں نظر آنے لگا ہے

میں اپنے سامنے ہوں بھی، نہیں بھی
نظارہ آئنہ در آئنہ ہے

یونہی بھولے سے آ جاؤ کسی دِن
کہ اس گھر کا تو دروازہ کھلا ہے

کوئی آہٹ تو آئی ہے قفس میں
کہیں امید کا پردہ ہلا ہے

لرز اُٹھا ہے آدھی رات کا دِل
اندھیرے میں کوئی آنسو گرا ہے

خدا رکھے سلامت تجھ کو قاتل!
کہ تو اپنا پرانا آشنا ہے

اندھیرا صبح کو جھٹلا رہا تھا
اسے بھی اب یقیں آنے لگا ہے

ہمہ تن گوش ہے ساری خدائی
پسِ پردہ کوئی تو بولتا ہے

کھڑا ہوں دم بخود ان کی گلی میں
بڑی مدت کے بعد آنا ہوا ہے

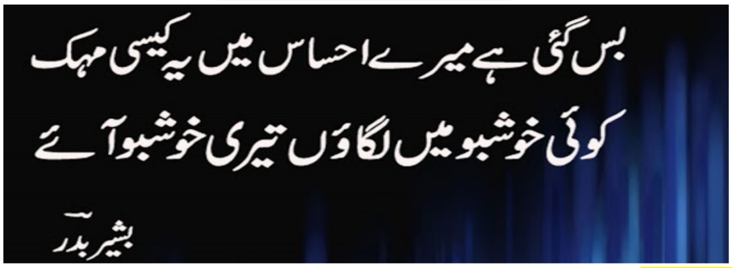

چوہدری صاحب

(آصف محمود باسط۔ لندن۔ قسط آخری)

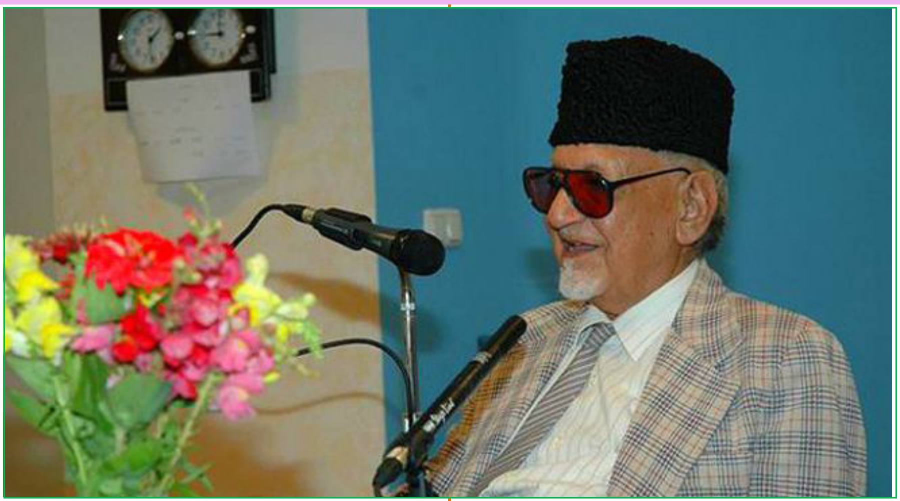

..تو بات یہ تھی کہ آپ کے دل کے ہر گوشے تک ہر کسی کو رسائی نہیں تھی، بلکہ خود چوہدری صاحب بھی بعض گوشوں تک نہ جاتے ہوں گے۔ شاید اسی خیال سے کہ کہیں جائے حادثہ پر جا کر (بلکہ جائے وقوعہ پر) دوبارہ حادثہ ہی نہ پیش آجائے۔

لکھنے بیٹھا ہوں تو چوہدری صاحب کی محبتوں کے کیا کیا رنگ ہیں جو یاد آتے جارہے ہیں۔ مگر سب تو نہیں لکھے جا سکتے، ایک تو اس لئے کہ مضمون طویل ہوتا جاتا ہے اور دوسرا یہ اگر چوہدری صاحب زندہ ہوتے تو بعض گوشوں پر قلم اٹھانے پر مجھ سے (ایک دفعہ پھر) برہم ہو جاتے۔ ایک دفعہ پھر اس لئے کہ میں نے بھی چوہدری صاحب کی برہمی کا رنگ قریب سے دیکھا۔

ایک بار کچھ احباب نے ربوہ کے ڈگری کالج کے باغات میں چوہدری صاحب کے ساتھ ایک شام منانے کا پروگرام بنایا۔ تیاری مکمل ہو گئی تو چوہدری صاحب کو لینے کوئی صاحب اپنی کار پر گئے۔ جلد واپس آکر انہوں نے بتایا کہ چوہدری صاحب تو کسی طور آنے کو تیار نہیں۔ سخت برہم بھی ہیں۔ دوست احباب نے مجھے کہا کہ جا کر منانے کی کوشش کروں۔ میں نے اپنی پرانی سی سائیکل پکڑی اور چوہدری صاحب کو منانے ان کی کوٹھی پہنچ گیا۔ ان دنوں چوہدری صاحب اوپر والے کمرے کو چھوڑ کر اسی کوٹھی کے نچلی منزل کے ایک کمرے میں سکوت اختیار کر چکے تھے۔

نہیں اتنی ہمت کہ در کھٹکھٹاؤں
اگرچہ درِ یار تک آگیا ہوں

مگر ہمت تو کرنا ہی پڑتی ہے۔ میں نے دروازہ پر دستک دی۔ اللہ جانے کس کیفیت میں بھرے بیٹھے تھے۔ کڑک دار آواز آئی ''کون؟؟؟'' میں نے جب جواب دیا تو اور بھی کڑک دار آواز اور اس سے بھی کڑک پنجابی میں فرمایا کہ ''میں کہہ دتا اے کہ میں نئیں آنا.. سمجھ نئیں آندی؟؟'' بحث کرنے کا تو یارا تھا نہیں۔ اچھے بچوں کی طرح ''جی اچھا'' کہہ کر پلٹا اور ابھی گیٹ کے قریب پہنچا تھا کہ پیچھے سے چوہدری صاحب نے اپنی کھڑکی سے زور سے آواز دی۔ ''ٹھہر جاؤ!! میں آریا واں''۔ سو اس روز خاکسار کو جماعت احمدیہ اور اردو زبان کے دبستانِ شاعری کے اس عظیم شاعر کو اپنے پرانے سائیکل پر، (انہی کے جتنی وزنی، یعنی خاصی وزنی، بیاض سمیت) ڈگری کالج تک لانے کا موقع ملا۔

چوہدری صاحب کی رگوں میں لہو کی بجائے کئی جذبوں کے کئی رنگوں کی قوسِ قزح دوڑتی تھی۔ مگر جو جذبہ سب جذبات کا سردار تھا، وہ اس ہجر کے درد کا جذبہ تھا جو حضرت خلیفۃ المسیح کے ہجرت کر جانے کے باعث نہ صرف آپ کے اندر اُگ آیا تھا بلکہ ایک ایسا تناور درخت بن گیا تھا جسے گھر میں بڑے شوق سے بویا جاتا ہے، مگر پھر پھلنے پھولنے پر اس کی جڑیں خود اپنے ہی گھر کے در و دیوار اور بنیادوں کو ہلانے لگتی ہیں۔

1984 کی ہجرت نے جماعت احمدیہ کی دنیائے شعر و سخن کو ایک الگ رنگ دے دیا۔ ہر شعر ہر مصرع ہجرت کے درد میں کلبلاتا اور سسکتا ہوا۔ ہر دوسرا آدمی شاعر بھی بن گیا۔ اس ہجرت پر کیا کچھ نہیں لکھا گیا، مگر چوہدری صاحب نے اس ہجرت اور اس ہجر میں جو کچھ لکھا، وہ دنیائے ادب کے شہ پارے ہیں۔ ہجر کا مضمون اور اپنے فنا ہو جانے کا مضمون اس سے بہتر کیا کوئی باندھے گا:

وہ سورج ہے نکلا ہے مغرب میں جا کر
میں سایہ ہوں دیوار تک آ گیا ہوں
پھر اپنے آپ کو تسلی بھی آپ ہی دے لیتے
کبھی تو اُس سے ملاقات ہوگی جلسہ پر
کبھی تو آئے گا وہ وصل کے مہینوں میں

نادان اسے بھی چوہدری صاحب کا حسنِ طلب خیال کرتے رہے، مگر اس سادہ سی بات کو نہ سمجھ سکے کہ اس میں چوہدری صاحب کے لندن جانے کا ذکر نہیں بلکہ ربوہ کے ان جلسوں کا ذکر تھا جن کی شمعِ محفل دور افتادہ زمینوں کی طرف ہجرت کر گئی تھی۔ سو یہ ہجر چوہدری صاحب کو بری طرح لاحق تھا، اور آپ اسے اپنی گفتگو، اپنے اشعار اور اپنے تخیلات میں تادیر دہراتے نہ تھکتے۔ پھر یہ ہجر بھی ایسے میں لاحق ہوا ہوکہ جب اک آگ غمِ تنہائی کی ان کے سارے بدن میں پھیل چکی تھی۔

چوہدری صاحب سے ملاقاتوں میں زیادہ وقفہ تب آنے لگا جب میں یونیورسٹی میں پڑھنے لاہور چلا گیا۔ مگر جب جب ربوہ جانا ہوتا، چوہدری صاحب سے ملاقات کی کوشش ضرور کرتا۔ ربوہ جا کر ان سے ملاقات نہ ہو سکتی تو اس کی دو ہی وجوہات ہوتیں۔ یا تو یہ کہ چوہدری صاحب گوجرہ گئے ہوتے، یا میری کوتاہی اور بہت سے ضروری کاموں کی طرح اس کام کی راہ میں بھی حائل ہو جاتی۔ ورنہ چوہدری صاحب نے ہمیشہ باہیں کھول کر استقبال کیا اور کبھی مصروفیت کا عذر تک نہ کیا۔

2002 میں خاکسار لندن آ گیا۔ پھر پانچ سال کا طویل عرصہ چوہدری صاحب سے کوئی ملاقات نہ ہو سکی۔ رابطہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ چوہدری صاحب کی صحت کے خراب ہونے کی خبریں آنے لگیں۔ پھر ایک روز چوہدری صاحب کا مجموعہ کلام ''اشکوں کے چراغ'' شائع ہو کر لندن پہنچ گیا۔ یوں کئی روز چوہدری صاحب سے غائبانہ ملاقات رہی۔ اتنے میں پانچ سال کا عرصہ گزر گیا اور مجھے پاکستان جانے کا موقع ملا۔ رات کو ربوہ دارالضیافت پہنچا تھا۔ صبح صبح چوہدری صاحب کو ملنے کے لئے حاضر ہو گیا۔ سنا تھا کہ چوہدری صاحب بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ مجھے ڈر تھا کہ شاید چوہدری صاحب پہچان بھی نہ پائیں گے۔ اگر مجھے پہچان نہ پائے تو مجھے کس قدر صدمہ ہوگا، میں بات کیا کروں گا، اتنی لمبی غیر حاضری کی کیا توجیہہ دوں گا۔

ان اندیشوں سے الجھتا ان کے دفتر میں حاضر ہو گیا۔ چوہدری صاحب بہت ضعیف ہو چکے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا تو اچانک اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ پاس بلا لیا۔ گلے سے لگا لیا اور پھر وہی رقت۔ مگر اس رقت کی بھی تو سمجھ نہ آتی تھی کہ واقعی پہچان لیا ہے یا کسی اور کیفیت میں رقت طاری ہے۔ بہت پیار سے گلے لگائے لگائے کہنے لگے:

''میرا مجموعہ جدوں شائع ہو رہیا سی، میرا دل کردا سی کہ تسی وی ہندے''

میں سر سے پاؤں تک خوش ہو گیا۔ چوہدری صاحب نے مجھے پہچان لیا تھا۔ مجھے بتانے لگے کہ تم سے کبھی کبھی ایم ٹی اے پر ملاقات ہو جاتی ہے۔ پھر میرے اہل خانہ کا پوچھتے رہے۔ نہیں کیا تو اتنی لمبی غیر حاضری کا گلہ نہیں کیا۔ بڑے آدمی جو تھے۔ میرے پاس بھی اس غیر حاضری کی معذرت کرنے کی کوئی توجیہہ تھی نہ ہمت۔ پھر اور بہت سی باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا مگر ایک بات نے طبیعت ایسی اداس کی کہ اجازت لے کر اٹھ کر چلا آیا۔

آپ کے دفتر کے ایک کارکن آپ کے پاس ایک خط دستخط کروانے کے لئے لے کر آئے۔ وہ چوہدری صاحب کو بتاتے رہے کہ دستخط کہاں کرنے ہیں، مگر چوہدری صاحب کا قلم صفحہ پر اِدھر اُدھر کچھ تلاش کرتا پھرا۔ پھر کارکن نے معین جگہ پر انگلی رکھ کر انہیں منزل دکھائی تو چوہدری صاحب نے بدقت وہاں پر دستخط کر دیئے۔ دستخط کرتے ہوئے رعشہ سے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ مجھے لگا کہ چوہدری صاحب کسی روز اپنی ذات کے ٹریفک میں ٹھہر گئے ہوں گے یا پھر ہاتھ کی لکیریں باہم ٹکرا گئی تھیں۔ وہ حادثہ جس سے چوہدری صاحب بچتے پھرتے تھے، پیش آ چکا تھا۔ حادثہ نے کیسی شکست و ریخت برپا کر دی تھی۔ میں بھی ایک حادثہ کے چشم دید گواہ کی طرح سکتہ کے عالم میں ان کے دفتر سے نکل آیا۔

پھر 2009 میں وصل کے مہینے آئے تو چوہدری صاحب سے جلسہ سالانہ یوکے پر ملاقات کا سبب پیدا ہوا۔ چوہدری صاحب کا انٹرویو ریکارڈ کیا۔ چوہدری صاحب اور بھی کمزور ہو چکے تھے۔ مگر ایک شاخِ نہالِ غم، جسے دل کہیں سو وہ تب بھی ہری تھی۔ یہ شاخ تھی خلافت سے دیوانگی کی حدوں تک پہنچا ہوا عشق۔ حضور کے نام پر، حضور کی شفقت کے ذکر پر،

صرف لفظ ''حضور'' کہہ کر ہی آپ کا پورا وجود پر جذبات کے طوفانِ بادوباراں کی زد میں آجاتا۔ پورا وجود رقت سے کپکپا اٹھتا۔ آنکھیں ہمیشہ کی طرح سیاہ عینک کے پیچھے تھیں۔ اس ملاقات کے دوران سوچا کہ شاید اس کالی عینک کو پہننے کے پیچھے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ ہر وقت امڈتے اس طوفان کو دیکھ نہ لیں۔ یہ ایک دیوار تھی جو لوگوں کو انجمن میں آنے سے روکتی تھی، مبادا خود بھی رسوا ہوں اور چوہدری صاحب کی صیغۂ راز میں رکھے جذبات کو بھی رسوا کریں۔

پھر 2015 میں جلسہ پر ان سے ملاقات کی امید بندھی۔ خبر آئی کہ محترم چوہدری صاحب جلسہ پر تشریف لائیں گے۔ میں نے سوچا کہ اس مرتبہ تو ہم کیمرہ چلا کر رکھ چھوڑیں گے اور چوہدری صاحب بولتے جائیں گے۔ اس مرتبہ کوئی پروگرام نہیں صرف آپ کی گفتگو ریکارڈ کریں گے۔ آپ کی زندگی کے ماہ و سال کیمرہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قید کرلیں گے کہ آئندہ نسلوں کی امانت ہے اور ان تک پہنچنا ضروری ہے۔

مگر محترم چوہدری صاحب کی بجائے یہ خبر آگئی کہ چوہدری صاحب ضعف کے نتیجہ میں گر کر شدید چوٹ لگوا بیٹھے ہیں اور سفر ممکن نہیں۔

پھر ایک روز چوہدری صاحب کے انتقال کی خبر آگئی۔ جلسہ میں کچھ ہی دن باقی تھے۔ سو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ کے افتتاح کے روز ارشاد فرمودہ خطبہ جمعہ میں آپ کے انتقال کا اعلان فرمایا۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ بیان فرمائے اور قریباً 30000 مقتدیوں نے اپنے امام کے پیچھے محترم چوہدری صاحب مرحوم کی نمازِ جنازہ ادا کی۔

چوہدری صاحب نے لکھ تو دیا کہ کبھی تو اس سے ملاقات ہوگی جلسہ پر، مگر یہ ملاقات ایسی بھی ہوگی، یہ شاید آپ کو معلوم نہ تھا۔ یا شاید معلوم ہی تھا، جبھی تو ہر بار، ہر مشاعرہ میں یہ مصرع پڑھتے ہوئے جذبات کے ریلے آپ کو بہالے جایا کرتے۔

مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کی خبر ضرور دی ہوگی کہ آپ کا جنازہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ہزاروں لوگوں کی جماعت کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اپنے مولا سے یہ خبر سُن کر چوہدری صاحب فرطِ جذبات سے رو پڑے ہوں گے۔

شادی ہارٹ اٹیک سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے

اگر آپ شادی شدہ ہیں تو کنوارے افراد کی نسبت آپ کے لیے ہائی کیلسٹرول کی صورت میں دل کی بیماری کے امکانات کم ہوں گے۔

برطانیہ میں ایک لاکھ بالغوں پر ہونے والی تحقیق کے بعد کی جانے والی ایک کانفرنس میں بتایا گیا کہ ایک محبت کرنے والا ساتھی آپ کی دیکھ بھال میں بہتر مدد کرسکتا ہے۔

تحقیق میں شامل تمام افراد ہائی بلڈ پریشر، کولیسٹرول یا پھر ذیابیطس کے مریض تھے۔ ان افراد میں سے شادی شدہ کی صحت کنوارے افراد کی نسبت قدرے بہتر تھی۔

ڈاکٹر پال کارٹر اور ان کے ساتھیوں کی جانب سے کی جانے والی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ شادی ہارٹ اٹیک سے بچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ تحقیق برٹش کارڈیو ویسکولر سوسائٹی کی جانب سے منعقد کردہ کانفرنس میں پیش کی گئی۔ اس تحقیق میں دل کے امراض سمیت دیگر امراض کے باعث ہونے والی موت کی وجوہات کا جائزہ لیا گیا۔ یہ تحقیق 14 سال جاری رہی۔

اس تحقیق سے سامنے آیا کہ ہائی کولیسٹرول میں مبتلا 50، 60 اور 70 کے پیٹھے میں شادی شدہ افراد کا 14 سال بعد بھی زندہ ہونے کے امکانات غیر شادی شدہ افراد سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح شوگر اور ہائی بلڈ پریشر سے متاثرہ افراد کے زندہ بچ جانے کا امکان بھی شادی شدہ لوگوں میں زیادہ دیکھنے کو ملا۔ تاہم علیحدہ زندگی بسر کرنے والے، طلاق یافتہ یا پھر بیوی یا خاوند کی وفات کے بعد اکیلے رہ جانے والے افراد کے بارے میں کچھ واضح نتائج سامنے نہیں آئے۔

محققین نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کیا شادی شدہ افراد ایک خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔ ماہرین اس بارے میں بھی واضح نہیں کہ فقط کسی سے منسلک ہونے کے بجائے زندگی میں کسی خاص شخص کا ہونا کتنا اہم ہے؟

ڈاکٹر کارٹر کہتے ہیں کہ ابھی ہمیں مزید جاننے کی ضرورت ہے، تاہم بظاہر ایسا لگتا ہے کہ شادی شدہ ہونے میں کچھ تحفظ ہے، نہ صرف دل کے مریضوں کے لیے بلکہ ان کے لیے بھی جنھیں دل کی بیماری کا خطرہ ہو۔

ایک عظیم سائنس دان۔ پروفیسر عبدالسلام

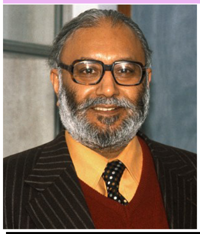

فزکس کانفرنس۔ پاکستان

(پروفیسر آصف علی پرویز۔لندن)۔قسط:28

دوست: پروفیسر عبدالسلام صاحب نے پاکستان میں سائنس کی ترویج کیلئے کیا کوششیں کیں؟

آصف: پروفیسر عبدالسلام صاحب کی خواہش تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے سائنسدان پاکستان آئیں تاکہ پاکستان میں رہنے والے سائنسدان اور حکومت ان کی تجاویز کو عملی جامہ پہنائیں۔

دوست: پروفیسر عبدالسلام صاحب نے اس بارہ میں کیا خاص کوشش کی؟

آصف: 1967ء میں پروفیسر عبدالسلام صاحب اور اٹامک انرجی کمیشن کی کوششوں سے نیوکلیئر فزکس Nuclear Physics میں نئی نئی تحقیقات کے بارہ میں ڈھاکہ (موجودہ بنگلہ دیش کا صدر مقام) میں ایک بین الاقوامی کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔اس میں دنیا کے چوٹی کے سائنسدان شریک ہوئے۔

دوست: میری دلچسپی کیلئے ذرا یہ تو بتائیں کہ ڈھاکہ کو اس کانفرنس کیلئے کیوں چنا گیا۔ ضرور کوئی خاص وجہ ہوگی!

آصف: ڈھاکہ میں اٹامک انرجی کمیشن نے ذرّات کو تیز کرنے والی ایک مشین نصب کی تھی جس کا نام Van De Graaff Generatore لگوایا ہوا تھا۔

دوست: یہ مشین کیا ہے؟ سادہ الفاظ میں اس کا کام تو بتائیں۔

آصف: یہ ایک نہایت ہی پیچیدہ مشین ہے اور اس کے ذریعے ذروں مثلاً پروٹان کو تیز رفتار سے ٹکرایا جاتا ہے۔اس کے نتیجہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کیا اس سے اور نئے ذرے دریافت ہو سکتے ہیں۔ بعد میں یہ مشین لاہور میں بھی لگائی گئی اور مجھے وہاں جاکر اسے دیکھنے کا موقعہ ملا۔

دوست: یہ تو اس طرح کی مشین لگتی ہے جیسا سرن CERN سوئٹزرلینڈ میں لگائی گئی ہے۔ یہ غیر معمولی طور پر طاقتور مشین ہے جس میں ذروں کو انتہائی تیز رفتار کرکے ٹکرایا جاتا ہے۔ اور اس سے نئے ذرات پیدا ہوتے ہیں۔

آصف: مقصد اس مشین کا بھی یہی ہے لیکن یہ ڈھاکہ میں لگی ہوئی مشین سے لاکھوں گنا زیادہ طاقتور ہے۔آپ کو شاید یاد ہو کہ چند سال قبل Higgs Boson وہیں دریافت ہوئے تھے۔اس بارے میں میں نے ایک مضمون المنار کی اشاعت ستمبر 2013 میں لکھا تھا۔اہلِ علم دوستوں سے درخواست ہے کہ اس مضمون کو پڑھیں۔اس سے ان کے علم میں خوب اضافہ ہوگا۔

دوست: انشاء اللہ میں تو یہ مضمون ضرور پڑھوں گا۔گو میں نے باقاعدہ سائنس نہیں پڑھی لیکن آپ سے باتیں کرتے کرتے میرا سائنس کا علم بھی بہت بڑھ گیا ہے۔ بالخصوص یہ جان کر کہ ذروں کی دنیا کا تعلق تخلیق کائنات سے بہت گہرا ہے۔اور تخلیق کائنات خدا تعالیٰ کا خاص الخاص فعل ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ۝ (3:191) ترجمہ: یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں صاحبِ عقل لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

آصف: آپ بجا کہتے ہیں کہ شاید اسی وجہ سے عباسی خلفاء نے بالخصوص سائنسی علوم کیلئے خاص کوشش کی اور اس کیلئے بڑی بڑی لائبریریاں بنائیں۔

دوست: کیا پروفیسر عبدالسلام صاحب نے اس تقریب میں کسی ایسی بات کا تذکرہ کیا؟

آصف: یقیناً چونکہ اس کانفرنس میں یورپ اور امریکہ کے نامی گرامی سائنسدان شامل تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ سائنس پر ہمیشہ مغرب کی اجارہ داری رہی ہے۔آپ نے اپنے افتتاحیہ خطبہ میں بتایا کہ عباسی خلیفہ ابوجعفر المنصور نے ایک بین الاقوامی سائنس کانفرنس کا انعقاد کیا جو بغداد (حالیہ عراق) میں ہوئی۔ اس کانفرنس میں علم ہیئت Astronomy اور ریاضی Mathematics کے ماہرین شامل ہوئے۔

دوست: اس کانفرنس میں کیا کسی خاص ادارہ قائم کرنے کی تجویز زیرِ بحث آئی۔

آصف: بالکل۔ خلیفہ کی منظوری کے بعد فیصلہ ہوا کہ ''بیت الحکمت'' کے نام سے ایک سائنسی ادارہ بنایا جائے۔ جہاں پر ہیئت، ریاضی، تعمیرات کے سائنسدان تحقیقی کام کریں۔اس کے علاوہ دنیا کی سائنسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا جائے۔ اس ادارہ سے وابستہ سائنس دانوں نے اس وقت حیران کن ایجادیں اور دریافتیں کیں۔ نیز ان علوم پر انہوں نے سائنسی کتب بھی لکھیں۔

دوست: میں نے سنا ہے کہ یورپ میں جب احیائے علوم کا دور آیا تو یہاں کے سائنسدانوں نے بڑی محنت کرکے عربی سیکھی اور پھر ان کتابوں کا ترجمہ یورپ کی بڑی بڑی زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، جرمن وغیرہ میں کیا۔اور پھر اس سے سائنسی علوم نے بہت ترقی کی۔ یہ بتائیں کہ صدر ایوب کے بعد آنے والے حکمرانوں کے بھی کیا پروفیسر عبدالسلام صاحب سائنسی مشیر رہے۔

آصف: ضرور! مگر اس کا ذکر اگلی محفل میں!